مقدمات میں اپیل سے متعلق احکامات کا تحقیقی جائزہ

A research Analysis of the rulings regarding Appeals against cases

ڈاکٹر سید نعیم بادشاہ *

ڈاکٹر محمد ناصر **

Abstract

Judiciary is considered to be the important pillar in the modern democratic system. Judiciary is supposed to eliminate cruelty and injustices from a society. Islam also teaches us to take our cases to court of government and law. Since people take their cases into courts which decide their fates based on proves and evidences available, there are high chances of mistakes in the logical decisions made in the judiciary. Judges, being human, are prone to errors and mistakes despite their best possible efforts and high expertise. In order to safe guard oneself from such mistakes and errors of judgements made by the judges, people have their rights to submit an appeal against decision declared by the judges. This right of appeal is not only a legal one but Islam also renders this right to every person. So, this is a legal as well as religious right. The present articles offers Islamic perspective and teachings about filing an appeal against the decision made in the court of law. The present article will cover many such related perspectives like the meaning of justices, its method and process, type and condition of the decisions, the care involved etc. etc. We will also discuss the rulings in Islam about what kind of decisions can a judge forfeit or cancel and what kind of decisions made by a judge cannot be challenged or altered by certain judges. The present article will discuss all these things in detail and will at the end conclude the results and outcome of all the discussion in a clear way.

Keywords: *Judiciary, Judges, Rulings, Appeals, Cases*

تعارف:

موجودہ جمہوری نظام میں عدلیہ کو اہم ستون کے طور پر جانا اور مانا جاتا ہے جو معاشرے سے ناانصافی ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اسلامی تعلیم بھی یہی ہے کہ ناانصافی سے بچنے کے لیے تنازعات ختم کرنے کے لیے اپنے مقدمات حکمرانوں تک لے جاؤ۔ غرض یہ کہ عدلیہ کا کام عدل وانصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا ہے۔ چونکہ فیصلے کی بنیاد دلائل پر ہوتی ہے اس لیے انکے فہم میں بھی خطا ممکن ہے جو بشری تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ جس کے تدارک کے لیے فریقین یعنی مدّعی اور مدّعٰی علیہ کو فیصلے پر اعتراض اور اپیل کا حق دیا گیا ہے جو انسان کا شرعی اور قانونی حق ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی عنوان کا اسلامی نکتہ نظر سے تحقیقی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس میں اس حوالے سے مختلف پہلو مثلاً عدل کا معنیٰ ومفہوم، طریقہ کار، احتیاط، فیصلوں کی نوعیت اور اقسام

* چیئرمین، شعبہ اسلامیات، زرعی یونیورسٹی پشاور

** لیکچرر، اسلامک تھیالوجی، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

اور ان میں سے ہر ایک کا حکم کہ کونسے فیصلے کا منسوخ کرنے کا اختیار دوسرے قاضی کے پاس ہے اور کس کا نہیں نیز اگر وہ فیصلہ سرے سے غلط ہے تو اس کا حکم کیا ہے ان کا تعلق کس کے ساتھ ہے کا تفصیل سے جائزہ لے کر حکم ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں نتائج مرتب کیے گئے ہیں

تمہید:

اللہ تعالی نے بھٹکے انسانوں کو راہ راست پر لانے کے لیے انبیاء ورسل کو کتاب وشریعت کے ساتھ مبعوث کرنے کا جو سلسلہ سیدنا آدمؑ سے شروع کیا تھا وہ پیغمبر دوعالم ﷺ کی آفاقی نبوت، اور دائمی شریعت پر اختتام پزیر ہو جاتا ہے۔ آپ پر نازل ہونے والی کتاب جامع اور زندہ جاوید ہے جس میں ہدایت وشریعت کے اوامر ونواہی سے متعلقہ تمام بنیادی اصول پائے جاتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہونے سے برائیوں سے پاک ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ ان رہنما اصولوں میں سے ایک عدل ہے یہ ایسا جامع اصل ہے جس کی رعایت کا حکم اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں جابجا دیا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ"[1]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى"[2]

حقدار تک اس کے حق کو پہنچانے کا نام عدل ہے اس کا تعلق ذات سے ہو یا مال سے جبکہ صاحب منار فرماتے ہیں کہ عدل کا دارومدار دو چیزوں پر ہے:

- فیصلے سے متعلق شرعی حکم سے واقف ہونا اور اس کی تطبیق کی صلاحیت رکھنا۔
- تنازع کو سمجھنے کے لیے مدّعی کے دعوی اور مدّعیٰ علیہ کے جواب اور دلائل کو سمجھنا اور دونوں میں سے کسی کی طرف بھی میلان نہ رکھنا[3]

اختصار کے باوجود یہ لفظ اس قدر جامع ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی خواہ ان کا تعلق قومی معاملات سے ہو یا عالمی، نجی زندگی ہو کہ معاشرتی، حقوق اللہ ہوں کہ حقوق العباد، عائلی مسائل ہوں کہ قضاء وشہادت، یہ تمام قولی ہوں یا فعلی سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ مائدہ کی مذکورہ آیت کی تشریح میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں انسانوں کو عدل وانصاف پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے جو ایک عام حکم ہے وہ فرماتے ہیں:" فَهَذَا خِطَابٌ عَامٌّ، وَمَعْنَاهُ أَمَرَ اللَّهُ تَعَالَى جَمِيعَ الْخَلْقِ بِأَنْ لَا يُعَامِلُوا أَحَدًا إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الْعَدْلِ وَالْإِنْصَافِ، وَتَرْكِ الْمَيْلِ وَالظُّلْمِ وَالِاعْتِسَافِ"[4] تاریخ اس پر گواہ ہے کہ ناانصافی معاشرے میں برائیوں کے بڑھانے، افرادی قوت کے منتشر کرنے، معاشرتی روابط کو کمزور کرنے، اور اجتماعیت کا شیرازہ بکھیرنے کا سبب ہے جس کی وجہ سے قومیں ذلت ورسوائی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان خدشات کا اظہار کرتے ہوئے علامہ شعراویؒ فرماتے ہیں :"فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُهُ الْعَادِلَةُ فِي خَلْقِهِ بِأَنَّ جَزَاءَ تَرْكِ الْعَدْلِ وَعَدَمِ إِقَامَةِ الْقِسْطِ فِي الدُّنْيَا هُوَ ذُلُّ الْأُمَّةِ وَهَوَانُهَا"[5] جب کہ علامہ ماورديؒ حکماء کا قول نقل کرتے ہیں: کہ

حکومتیں کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہیں لیکن ظلم کے ساتھ نہیں۔[6] ایک بار سکندر نے ہندوستانی حکماء سے پوچھا کہ حکمران کے لیے شجاعت اور انصاف میں سے کونسی چیز ضروری ہے۔ انہوں نے جواب دیا عدل شجاعت سے بے نیاز کر دیتا ہے۔[7] معاشرے میں امن کی بحالی اور انصاف کی فراہمی کے لیے تنازعات کا پر امن حل نہ صرف ریاست کی اوّلین ذمہ داری ہے بلکہ ایک قومی فریضہ ہے۔ جس میں عدلیہ کا بنیادی کردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کو ریاست کے ذمہ دار کی حیثیت سے یہ فریضہ سونپتے ہوئے حکم دیا: "وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ"[8] امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت کریمہ کے اصل مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپؐ کی وساطت سے پوری امت ہے۔[9] جب کہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: اس کے مخاطب براہ راست مسلمان حکمران ہیں۔[10] صاحب منار اور صاحب قرطبی سورۃ نساء کی اس اور بعد والی آیت کے بارے فرماتے ہیں کہ: یہ دونوں آیتیں اس قدر جامع ہیں کہ اسلامی سلطنت کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں ان کے بعد اگر مزید قرآن نہ بھی نازل کیا جاتا تو بھی یہ دونوں آیتیں امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے کافی تھیں۔[11] اسی طرح یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس حساس منصب پر ہر کسی کو فائز نہیں جا سکتا صاحب تنویر اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " لَيْسَ لِجَمِيعِ النَّاسِ أَنْ يَشْرَعُوا فِي الْحُكْمِ بَلْ ذَلِكَ لِبَعْضِهِمْ"[12] اوّلین مخاطب ہونے کے ناطے لوگوں کے تنازعات حل کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ پر عائد کی گئی تھی۔ اس لیے لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنے مقدمات لاتے علامہ اندلسیؒ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " فَيُخَاصِمُهُ فِي ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - دُونَ غَيْرِهِ وَهُوَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - الْحَاكِمُ فِي زَمَنِهِ؛ لِأَنَّهُ إِمَامُ الْأُمَّةِ وَالْمُنْفَرِدُ بِالرِّئَاسَةِ الدِّينِيَّةِ وَالدُّنْيَوِيَّةِ فَلَا يَصِحُّ أَنْ يَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ إِلَّا هُوَ"[13] آپ ﷺ فیصلہ کرنے میں خود بھی احتیاط کرتے اور مدّعی اور مدّعیٰ علیہ کو بھی ہمیشہ اس کی تلقین کرتے: کہ میں تمہارے درمیان دلیل کی بنیاد پر فیصلہ کرتا ہوں ہو سکتا ہے کہ تم میں سے چرب لسان اپنا دعویٰ میرے سامنے مدلل بیان کرے اور اسے اس بات کا علم بھی ہو کہ یہ چیز میری نہیں تو میرے فیصلے کے باوجود وہ اسے نہ لے " فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنْ نَارٍ"[14] امام بخاریؒ نے یہ حدیث بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ الْخُصُومَ " کے ذیل میں ذکر کی ہے۔ محدّثین فرماتے ہیں کہ: اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ جج کا فیصلہ ہمیشہ ظاہر پر مبنی ہو گا اور اس کا نفاذ بھی ظاہری ہو گا۔ لیکن اس سے یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ ﷺ کے فیصلے میں خطاء ممکن ہے کہ نہیں ؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کے علم کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:

- وحی: اس کی بنیاد چونکہ علم حضوری پر ہوتی ہے اس لیے اس میں کسی قسم کی خطاء ممکن نہیں۔[15]
- اجتہاد: اس میں خطاء ممکن ہے کہ نہیں؟ اس میں علماء سے دو آرا منقول ہیں:
- خطاء ممکن ہے لیکن اس پر برقرار نہیں رکھا جاتا۔
- عصمت کے منافی ہونے کی وجہ سے خطاء ممکن نہیں۔[16]

پہلے قول کی تائید عقل و نقل سے ہوتی ہے مثلاً بدر کے قیدیوں کے بارے میں خلاف اولیٰ کے انتخاب پر تنبیہ کی گئی۔ اسی طرح بخاری شریف کی مذکورہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ محض امکان عصمت کے منافی نہیں اسے شوافع، حنابلہ، محدثین،

ابن حاجبؒ اور علامہ آمدیؒ نے اختیار کیا ہے۔ جبکہ پہلے قول کو امام رازیؒ، تاج الدین سبکیؒ، اور قاضی ابو یعلیؒ نے اختیار کیا ہے۔ [17] جب تک مسلمانوں کی تعداد محدود تھی اس وقت تک آپ ﷺ بنفس نفیس یہ ذمہ داری بخوبی نبھاتے رہے۔ جس میں خطاء کا احتمال تقریباً معدوم تھا۔ لیکن اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوتے ہی آپ ﷺ نے دور دراز علاقوں میں صحابہ کرامؓ کو قاضی بنا کر بھیجنا شروع کیا چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت دحیہ کلبیؓ، کو یمن اور حضرت عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا قاضی بنایا گیا [18] اختیارات کے منتقلی کے ساتھ ہی بشری تقاضوں کی وجہ سے خطاء کا احتمال بھی بڑھتا گیا۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:" وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ الْخَطَأِ فِي الْأَحْكَامِ الْجُزْئِيَّةِ"[19] اور علامہ بغویؒ فرماتے ہیں: حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس حوالے سے ایک تحریری حکمنامہ بھیجا تھا کہ: لَا يَمْنَعَنَّكَ قَضَاءٌ قَضَيْتَهُ، ثُمَّ رَاجَعْتَ فِيهِ نَفْسَكَ، فَهُدِيتَ لِرُشْدِهِ أَنْ تَنْقُضَهُ[20] اور ایک موقع پر آپ نے فرمایا:" رُدُّوا الْجَهَالَاتِ إِلَى السُّنَّةِ"[21] جب کہ عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ:" مَا مِنْ طِينَةٍ أَهْوَنُ عَلَيَّ فَكًّا , وَمَا مِنْ كِتَابٍ أَيْسَرُ عَلَيَّ رَدًّا مِنْ كِتَابٍ قَضَيْتُ بِهِ , ثُمَّ أَبْصَرْتُ أَنَّ الْحَقَّ فِي غَيْرِهِ , فَفَسَخْتُهُ"[22] اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد شواہد پائے جاتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے مختلف اوقات میں اپنے فیصلوں سے رجوع کیا ہے چنانچہ علامہ نمیریؒ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

- حضرت عمرؓ نے حاملہ عورت کی سزا میں حضرت معاذؓ کے قول کی طرف رجوع کیا۔ اگر چہ یہ قول مشہور تو حضرت علیؓ کے بارے میں ہے جو درست نہیں۔
- حضرت عثمانؓ نے دادا کا بھائی کے لیے وراثت میں مانع بننے میں حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا۔
- عبداللہ بن مسعودؓ نے مقاسمۃ الجد میں حضرت زیدؓ کے قول کو اختیار کیا۔
- حضرت علیؓ نے بچوں کو ماؤں سے جدا کرنے کے جواز و عدم جواز میں حضرت عمرؓ کے قول کی طرف رجوع کیا۔
- ابن عمرؓ نے رمضان کے حکم میں ابن عباسؓ کے قول کی طرف رجوع کیا۔[23]
- اسلیے اصل تو یہی ہے کہ قاضی کا فیصلہ نافذ کرنا انتظامیہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن فیصلے میں قانونی سقم کی وجہ سے فریقین کو اپیل کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ جو ان کا شرعی اور قانونی حق ہے۔ لیکن اس سے پہلے دو چیزوں میں احتیاط ضروری ہے:

جس قاضی نے پہلا فیصلہ کیا ہے وہ اپیل کی سماعت نہیں کرے گا کیونکہ یہ اپنے حق میں قاضی بننے کے مترادف ہے جو اصول فقہ کے اس مشہور قاعدے" القاضی لا یملک أن یقضی لنفسہ"[24] کی وجہ سے جائز نہیں جب کہ در مختار میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے:"إذا القاضی لا یقضی لنفسہ باالإجماع"[25] اس کے باوجود بھی اگر کوئی سماعت کرتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ سماعت کرنے والے کو اس کا کلی فائدہ ہو تو بالاتفاق رَد ہو گا۔ اور اگر جزوی فائدہ ہو تو پہلے قول کے مطابق اس فیصلے کا نفاذ دوسرے قاضی کی صوابدید پر موقوف ہو گا۔

دوسرے قول کے مطابق ایسا فیصلہ بہر صورت رد کیا جائے گا۔ عالمگیری میں دونوں صورتیں ذکر کرنے کے بعد اسی کو راجح کہا گیا ہے:''بأن الإنسان لا يصلح قاضياً فی حق نفسه فإذا قضى القاضی لنفسه من كل وجهٍ أو من وجه لا ينفذ قضاء غير أنه إذا قضى لنفسه من كل وجه لا ينفذ بإمضاء قاضٍ أخر وإذا قضى لنفسه من وجه ينفذ بإمضاء قاضٍ أخر''[26] یہ ممانعت دو وجہ سے ہے:

فیصلے میں انصاف کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اور اگر ممکن ہو بھی بدنامی کا اندیشہ ہے۔

جس کے سدباب کے لیے شریعت میں اسے ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ المحیط البرہانی میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے کہ :

''أن القاضی بالقضاء فی الفصل الثانی يعمل لنفسه لأنه يثبت براءة نفسه ويصح دفعه إليه والقضاء لنفسه باطل''[27]

- اور دوسری بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی فیصلے کے خلاف نظر ثانی کا عریضہ جمع کرے تو قاضی سماعت سے پہلے سابقہ فیصلے کی خوب جانچ پڑتال کر لے۔ ضرورت کے مطابق پہلا فیصلہ کرنے والے سے اس کی وجوہات سمجھنے میں رہنمائی بھی حاصل کر سکتا ہے غلطی پائی جانے یا مطمئن نہ ہونے دونوں صورتوں میں پہلے فیصلے کو منسوخ کر کے دوسرا فیصلہ صادر کر دے۔ لیکن غلطیوں کی تشہیر قطعاً نہ کرے۔ جواہر العقود میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے کہ'':أن لا يتعقب حكم من قبله بنقضٍ بل يطلب ما كان بيد القاضی المعزول فإن بان له خطاء فلا يشهره بل يوقفه ويسأله عنه ولا يبينه لغيره''[28] لیکن یہ حکم ہر فیصلے کا نہیں اس لیے مزید تفصیل سے پہلے قاضی کے فیصلوں کی نوعیت کا جاننا ضروری ہے۔ عام طور پر قاضیوں کے فیصلے تین طرح سے ہوتے ہیں:
- کتاب و سنت یا اجماع کے مخالف ہوں یا ظالمانہ ہوں۔
- کسی اجتہادی مسئلہ سے متعلق ہوں۔
- یا جمہور کی مخالفت کی گئی ہو۔

وہ فیصلے جو کتاب و سنت، اجماع کے مخالف ہوں یا ظالمانہ ہوں انہیں منسوخ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ کسی دلیل پر مبنی نہیں ہوتے جس طرح کہ فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ: ''فالأول باطل وللقاضی الثانی أن ينقضه''[29] اور یہ حکم صرف قاضی کے فیصلوں تک منحصر نہیں اگر ایسا فیصلہ کرنے والا حاکم ہو تو اسے بھی رد کر دیا جائے گا۔ جس کی تائید صاحبِ ہدایہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ : ''وإذا رفع إلى القاضی حكم حاكم أمضاه إلا أن يخالف الكتاب أوالسنة أوالإجماع''[30] اس حکم کی تائید نبی کریم ﷺ کی اس حدیث: '' من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''[31] ترجمہ: ''جو کوئی دین میں ایسا نیا طریقہ ایجاد کرے

جو میری طرف سے نہ ہو تو وہ بے کار ہے"۔ سے ہو رہی ہے لہٰذا دوسرے قاضی کو نہ صرف ایسے فیصلوں کے رد کرنے کا حق حاصل ہے بلکہ اس کا ایسا کرنا قابلِ تحسین ہے۔

وہ فیصلے ہیں جو **اجتہادی اقوال پر مبنی ہوں** ان میں مخالفت کی دو صورتیں ہیں:

- وہ رائے **اتفاقی** ہو گی۔
- یا **اختلافی**۔

اتفاقی رائے پر فیصلے کا مطلب اجماع ہے قطعیت کیوجہ سے اس کی مخالفت جائز نہیں۔[32] اور اگر فیصلہ اختلافی رائے کے مطابق کیا گیا ہو پھر بھی قاضی کے لیے پہلے فیصلے کی مخالفت اسلیے جائز نہیں کہ دونوں میں سے ایک قول کو قاضی کے فیصلے کی تائید حاصل ہے۔ اب پہلے فیصلے کی مخالفت کے بعد فیصلہ نظر ثانی کے لیے تیسرے قاضی کے پاس جائے گا جس میں اس کی طرف سے ایک نیا فیصلہ متوقع ہو گا اور یوں فیصلوں کا لا متناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور عدالتوں کے قیام کی منشاء (تنازعات کا خاتمہ) مفقود ہو کر رہ جائے گی۔ جس سے بچنے کے لیے پہلے فیصلے کی تائید ضروری ہے۔ علامہ کاسانیؒ اسی خدشے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''لأنه لو جاز نقضه يرفعه إلى قاضٍ أخر يرى خلاف رأى الأول فينقضه ثم يرفعه المدعٰى إلى قاض أخر يرى رأى القاضى فينقض نقضه ويقضى كما قضٰى الأول فيودى إلى أن لا تنفع الخصومة والمنازعة أبداً''[33] اور ذخیرہ احادیث میں اس کی متعدد امثلہ پائی جاتی ہیں:

عباس بن خرشہ الکلامی کو چچیرے بھائی یا بیٹے نے کہا تیری بیوی تجھ سے محبت نہیں کرتی۔ اگر تجھے اس کا یقین نہیں تو اسے طلاق کا اختیار دے کر آزمالو۔ انہوں نے اختیار دیا۔ تو بیوی نے طلاق مغلظہ لے لی وہ یہ مقدمہ حضرت علیؓ کے پاس لائے۔ آپؓ نے دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:" لئن قربتها حتى تنكح زوجاً غيره لأغبينك بالحجارة''[34] ترجمہ: "اگر کسی اور سے نکاح کرنے سے پہلے تو اس کے پاس بھی گیا تو میں تمہیں رجم کر دوں گا"۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں انہوں نے حضرت علیؓ کے فیصلے کے خلاف اپیل کی تو حضرت معاویہؓ نے وہی فیصلہ بحال رکھتے ہوئے فرمایا: قد أجزنا قضاءه عليک أو قال ما كنا لنرد قضاه قضاء عليک''[35]

عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد جب ابان بن عثمان مدینہ منوّرہ کے والی بنائے گئے تو انہوں نے عبد اللہ بن زبیرؓ کے فیصلوں کو منسوخ کرنے کے لیے ابن مروان کو خط لکھا۔ ابن مروان نے ایسا کرنے سے منع کرتے ہوئے کہا کہ ابن زبیرؓ کی مخالفت اور انتقام ان کے فیصلوں کی وجہ سے نہیں بلکہ امارت میں حصہ دار بننے کی وجہ سے تھا اور ایک تحریری حکمنامے کے ذریعے ان کے فیصلوں کے نافذ کرنے کا حکم دیا''فإذاجاء ک كتابى هذا فامض ما كان قضٰى به إبن الزبير ولا ترده فإن نقضنا القضاء عناءٌ''[36] ترجمہ میرے اس خط کے پہنچے کے بعد ابن زبیر کے فیصلوں کو بحال رکھو کیونکہ انکے فیصلوں کو منسوخ کرنے میں اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا ہے"۔ مذکورہ واقعات سے دو باتیں ثابت ہو رہی ہیں

فریقین کو فیصلے کے خلاف اپیل کا حق حاصل ہے

اجتہادی فیصلوں میں پہلے فیصلے کو برقرار رکھا جائے گا

اور فقہاء کے ہاں بھی یہی راجح ہے کہ مقدمے میں جب ایک بار اجتہادی رائے پر فیصلہ دیا جاچکا ہو تو اسی کو بحال رکھنا اولیٰ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "لم یجز لأحد من القضاء نقض قضائه لأن الإجتهاد الثانی مثله والأول ترجح بالسنن لإتصال القضاء به"[37] اور اسی قول کو بزازیہ میں راجح قرار دیا گیا ہے: "وإن اختلف الفقهاء فی مسئلة وقضٰی قاضٍ بقول ثم جاء قاض أخر یری خلافه أمضی الأول"[38] اور یہی قول امام محمدؒ نے بھی ذکر کیا ہے: "وماختلف فیه الفقهاء فقضی به القاضی ثم جاء قاضٍ آخر یری غیر ذٰلک أمضاهٗ"[39] چاہے پہلا فیصلہ دوسرے قاضی کی رائے کے موافق ہو یا نہیں چنانچہ صاحب فتح القدیر اسی قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "إن الإمضاء عامٌ فیما سوی المستثنیات سواء کان ذٰلک مخالفاً لرأیه أو موافقاً"[40] جس کی تائید اس واقعے سے ہو رہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت ابو درداءؓ نے ایک مقدمے کا فیصلہ کیا کچھ عرصہ بعد جب اس شخص کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی۔ تو آپؓ نے اس سے مقدمے کے بارے استفسار کیا اس نے کہا کہ اس کا فیصلہ میرے حق میں نہیں تھا۔ آپؓ نے فرمایا اگر میں قاضی ہوتا تو فیصلہ آپ کے حق میں کرتا۔ اس پر اس شخص نے کہا اب کونسی رکاوٹ ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "لیس هنا نص والرأی مشترک"[41] جبکہ ہدایہ کی شرح بنایہ میں فیصلہ کرنے والے کا نام حضرت زیدؓ ذکر کیا گیا ہے۔[42]

اور اگر فیصلہ ایسی مجتہد فیہ رائے پر مبنی ہو کہ جو فقہاء کے مابین بھی اختلافی ہو اور قاضی کی رائے کے موافق بھی نہ ہو یا غلط ہو تو پھر فیصلہ منسوخ کیا جائے گا۔ جس کی تائید عالمگیری کے اس جزئیہ سے ہوری ہے کہ: "إن کان الإجتهاد شنیعاً مستنکراً جاز للقاضی الثانی أن ینقض قضاء الأول"[43] البتہ علامہ ظہیر الدینؒ کے قول کے مطابق قاضی کا ہر فیصلہ نافذ کیا جائے گا چاہے شاذ قول ہی کیوں نہ ہو جس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لأنه وقع محامحل الإجتهاد فیکون نافذاً بالإجماع"[44] لیکن وہ اس قول میں متفرد ہیں

اور جن فیصلوں میں جمہور کے قول کی مخالفت کی گئی ہو انہیں رد کرنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ اختلاف نہیں مخالفت ہے۔ فقہاء اس کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وفی الوجه الثالث ینقضه لأن الجمهور ساقط العبرة بمقابلة الجمهور ولا یعد قوله إختلافاً بل خلافاً"[45]

البتہ قاضی کے غلط فیصلوں کے حکم سے آگاہی کے لیے جملہ فیصلوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ قاضی کے فیصلے کا تعلق

- حقوق اللہ سے ہو گا۔

- یا حقوق العباد سے۔

پہلی صورت میں غلطی اگر ارادۃً نہ ہو تو اس کا ازالہ بیت المال سے کیا جائے گا۔ ورنہ قاضی کو معزول کیا جائے گا۔ دوسرے قسم کے فیصلوں کی دو صورتیں ہیں:

- مال سے متعلق ہو گا۔
- یا نہیں۔

فیصلہ اگر مال سے متعلق ہو تو اسے بحال رکھا جائے گا لیکن جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے اگر اس کے پاس وصول کیا گیا مال موجود ہو تو اس سے واپس کیا جائے گا ورنہ ضامن ٹھہرایا جائے گا۔ اور اگر فیصلہ مال سے متعلق نہ ہو تو منسوخ کیا جائے گا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جب اپیل میں فیصلہ تبدیل کیا جاسکتا ہے تو سزا میں کمی یا زیادتی بھی کی جاسکتی ہے۔

نتائج بحث:

کسی بھی ریاست کی بقا اور استحکام کا راز انصاف ہے۔ یہی وہ بنیادی صفت ہے جو حکمرانی کو دوام بخشتی ہے اور طاقت کے استعمال سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ مدینہ منوّرہ جو پہلی اسلامی ریاست اور آپ ﷺ اس کے پہلے قاضی اور حاکم تھے۔ جب تک ممکن ہو سکا آپؐ بنفس نفیس لوگوں کو انصاف فراہم کرنے کے لیے مصروف عمل رہے۔ آپؐ کے علم کی بنیاد وحی الٰہی پر ہونے کی وجہ سے خطا کا احتمال نہیں تھا اور اگر کہیں اجتہادی مسئلے میں خلاف اولیٰ کا فیصلہ فرما بھی دیتے تو فوراً اس پر تنبیہ کر دی جاتی۔ لیکن مصروفیات بڑھنے کے بعد آپ نے یہ ذمہ داری صحابہ کرام کو سونپی تو اس میں خطا کا احتمال بھی پیدا ہو گیا۔ جس سے بچنے کے لیے فریقین کو اپیل کا اختیار دیا گیا۔ ایسے متعدد تاریخی شواہد موجود ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی کہ صحابہ کرام اور تابعین نے ایک فیصلے سے دوسرے فیصلے کی طرف رجوع کیا ہے۔ جسکا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی کسی قاضی کے پاس فیصلے پر نظر ثانی کا عریضہ جمع کیا جائے اور قاضی اسے قبول کر لے تو سب سے پہلے فیصلے کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے سابقہ ریکارڈ کی خوب جانچ پڑتال کر لے اور اگر ضرورت ہو تو اس میں پہلے قاضی سے مدد بھی لے لے۔ لیکن جب اسے فیصلے کے غلط ہونے کا یقین ہو جائے مثلاً وہ فیصلے: کتاب و سنّت کے مخالف ہوں، ظالمانہ ہوں یا ان میں جمہور کے قول کی مخالفت کی گئی ہو تو انہیں منسوخ کر کے نیا فیصلہ جاری کر دے۔ اور وہ اجتہادی فیصلے جو ہوں تو اختلافی لیکن ان میں سے ایک قول کو قاضی کے فیصلے کی تائید حاصل ہو چکی ہو تو انہیں بحال رکھے کیونکہ انکی مخالفت سے فیصلوں کا جو تسلسل شروع ہو گا اس سے عدلیہ کے قیام کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ لیکن اس سارے عمل میں اسے پہلے فیصلے کی جن غلطیوں کی نشاندہی ہوئی ہے ان کی تشہیر سے باز رہے۔ اور اگر فیصلے میں غلطی بالارادۃ کی گئی ہو اور وہ فیصلہ حقوق اللہ سے متعلق ہو اور ہو بھی مالی تو بیت المال سے نقصان کا ازالہ کر کے قاضی کو معزول کیا جائے گا۔ اور اگر فیصلے کا تعلّق حقوق العباد سے ہو اور ہو بھی مالی تو جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے اگر اس کے پاس وہ چیز بعینہ موجود ہو تو اس سے وصول کی جائے گی ورنہ ضامن ہو گا۔ اور اگر فیصلہ مال سے متعلقہ نہ ہو تو منسوخ کیا جائے گا۔

حوالہ جات:

[1] القرآن، سورۃ النحل، آیت 90

[2] القرآن، سورہ المائدہ، آیت 8

[3] الحسيني، محمد رشيد بن علي رضا بن محمد شمس الدين بن محمد بهاء الدين بن منلا علي، تفسیر المنار، 1990، ج 5/ 140

[4] فخر الدين الرازي، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين، مفاتيح الغيب، ناشر: دار إحياء التراث العربي، طبعہ ثالثہ، ج ۱۱/ 320

[5] تفسير المنار، ج 6/ 227

[6] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب، تسهيل النظر وتعجيل الظفر في أخلاق الملك، ناشر: دار النهضة العربية، نامعلوم، ص/ 184

[7] الماوردي، درر السلوك في سياسة الملوك، ناشر: دار الوطن الرياض، نامعلوم، ص/ 94

[8] القرآن، سورۃ النساء، آیت 58

[9] الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس، تفسير الإمام الشافعي، ناشر دار التدمریہ، طبعہ اولی، 2006، ج 2/ 612

[10] القرطبي،: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح، الجامع لأحكام القرآن، ناشر: دار الكتب المصریہ، طبعہ ثانیہ، 1964، ج 5/ 256

[11] تفسير المنار، ج 4/ 136

[12] التونسي، محمد طاهر بن محمد بن محمد طاهر بن عاشور،: التحریر والتنویر، ناشر: الدار التونسیہ، 1984، ج 5/ 95

[13] الأندلسي، أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب بن وارث، المنتقى شرح الموطإ، ناشر: مطبعہ السعادة، طبعہ اولی، 1332ھ، ج 5/ 182

[14] بخاری، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، ناشر: دار طوق النجاة، طبعة: الأولى، 1422، حدیث نمبر 2680

[15] العطار، حسن بن محمد بن محمود، حاشیہ العطار على شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع، ناشر دار الكتب العلميہ، نامعلوم ص 61

[16] الأصفهاني، محمود بن عبد الرحمن ابن أحمد بن محمد، بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب، ناشر: دار المدني، السعودیہ، طبعہ: أولى، 1986، ج 3/ 336

[17] المرداوي، علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان، التحبير شرح التحرير في أصول الفقه، ناشر: مكتبة الرشد - السعودية، طبعة: اولى، 2000م، ج 8/ 3905

[18] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب، الحاوي الكبير، دار الكتب العلمية، طبعة اولى، -1999 ج 16/ 6

[19] القاري، علي بن محمد، أبو الحسن نور الدين، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ناشر: دار الفكر، بيروت، طبعة: اولى، 2002م، ج 6/ 2441

[20] البغوي، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء، شرح السنة، ناشر: المكتب الإسلامي- دمشق، طبعہ ثاني، 1983ھ ج 10/ 114

[21] النمري، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم، جامع بيان العلم وفضله، الناشر: دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، طبعة: اولى، -1994، ج 2/ 290

[22] البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي بن موسى، السنن الكبرى، دار الكتب العلمية، طبعة ثالثة، 2003، حدیث نمبر 20373

[23] جامع بيان العلم وفضله، ج 2/ 290

[24] المجددی محمد عمیم الاحسان البرکتی، قواعد الفقہ ط اولی، صدف پبلشرز کراچی، 1986ء، ص 97۔

[25] ابن عابدين، محمد امين بن عمر بن عبد العزيز، رد المختار على در المختار، دار الفکر بیروت، طبعہ ثانیہ، 1992، ج 5/ 394،

[26] نظام الدین فتاویٰ عالمگیریہ، دار لفکر، طبعہ ثالثہ ج 3/ 366،

[27]، البخاري، أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ، المحيط البرهاني في فقہ الحنفي، المكتبة الغفاریہ کانسی روڈ کوئٹہ، ج 9/ 499،

[28] الأسیوطی، المنہاجی، الشیخ علامہ شمس الدين محمد بن احمد، جواہر العقود و معين القضاة والموقعين والشهود، دار الكتب العلميہ، ط اولی 1996ء، ج 2/ 286۔

[29] الولوجی، ابو الفتح ظہیر الدین بن عبد الرشید، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط اولیٰ، 2003 فتاویٰ والولوجیہ، ج4/24،۔

[30] المرغینانی، برہان الدین ابو الحسن عل بن ابی بکر، مکتبۃ البشریٰ، ط 2007 ہدایہ، ج5/364،۔

[31] سنن کبریٰ بیہقی، ج15/20952،

[32] الکاساني، علاء الدین، اۤبو بکر بن مسعود بن اۤحمد، بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع، ناشر دار الکتب العلمیہ، طبعہا ثانیۃ، 1986، ج7/14،

[33] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج7/14،

[34] سنن بیہقی، ج15/20958،

[35] نفس مصدر، نفس حدیث۔

[36] سنن بیہقی، 20960۔

[37] الصاغرجی، الشیخ السعد محمد سعید، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب دمشق، طبعہ رابعہ 2005ء: ج3/19۔

[38] محمد بن محمد شہاب بن یوسف، فتاویٰ بزازیہ، دار الکتب العلمیہ، طبع اولیٰ، 2009، ج1/509،

[39] جامع الصغیر، ص399۔

[40] ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، دار لفکر بیروت، طبعہ، سنہ نا معلوم، ج 7/281،

[41] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج5/108، البنایہ شرح الہدایہ، ج9/49، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبعہ اولیٰ 2000

[42] العینی، ابی محمود بن احمد، البنایہ فی شرح الہدایہ، دار لکر بیروت، طبعہ ثانیہ، 1990، 9/49

[43] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، 7/15

[44] فتاویٰ والولوجیہ، ج4/24۔

[45] فتاویٰ والولوجیہ، ج4/24۔